ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

قرآن مجید تاریخ ہے

قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کی حرکت پر مشتمل عمل، تاریخ کا موضوع ہے۔ تاریخ کا مسئلہ یہ ہے کہ:

قوموں اور تہذیبوں کا عروج و زوال کیسے ہوتا ہے؟

وہ قانون کیا ہے جو عروج و زوال کی تاریخی حرکت پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اور اس قانون کو سمجھ کر تاریخ کا رُخ بدلنا ضروری ہو تو مطلوبہ سمت میں کیونکر پھیرا جا سکتا ہے؟

قرآن مجید اُمم سابقہ کے عروج و زوال کے بیان میں اُس قانون کی نشان دہی کرتا ہے جو تاریخی حرکت کے نتائج کو متعیّن کرنے میں مؤثر ہے۔ اور کفّار و مشرکین قرآن مجید کو اساطیر الاوّلین کہہ کر نظر انداز کرنے کی کوشش اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اپنے مزعومہ مفادات کی وجہ سے مفاد پرستانہ تخریب میں مبتلا ہوتے ہیں اور اُمم سابقہ کے حالات اور اُن کے زوال کے اسباب کو سُن کر وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ ہم جس انداز کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ تباہی کی طرف لے جائیگی۔

قرآن مجید انبیائے سابقین کے قصّے بیان کر کے یہ یقین دلاتا ہے کہ حق و باطل کی کشمکش میں غلبہ ہمیشہ اصحابِ حق ہی کو حاصل ہوتا رہا ہے اور حق ہی غالب ہو کر رہے گا۔ اِس حتمیت کے ساتھ غلبہ حاصل ہونے کا یقین میسّر آنے کی بنیاد تضاد کا وہ قانون ہے جس سے تاریخی حرکت کے نتائج کی توجیہ کی جاتی ہے۔ اِس انداز سے غور کر کے نتائج اخذ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو متضاد نظریوں کی علمبردار متخاصم اور معاند قوموں کی وحدت کی علیحدہ علیحدہ اساس اور ان کا منتہائے مقصود متعیّن کر کے ضبط و انقیاد اور اختلال انگیزی کے مؤثرات کا تجزیہ کیا جائے اور غایت کے قریب تر یا دُور ہوتے چلے جانے کی توجیہ کے لیے اس قانون کو متعیّن کیا جائے جس سے نتیجے کے طور پر عروج یا زوال پیدا ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں بعض انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمّتوں کا حال اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اُمم سابقہ کے عروج و زوال کا قانون واضح کیا جائے۔ واقعات کی تفصیل مقصود نہیں۔ اِس حقیقت کو سمجھنے ہی کی وجہ سے بعض مفسرین نے "اسرائیلیات" سے تفصیلات مہیّا کرنے کی سعی کی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ (۴۰ - ۷۸)

تم سے پہلے ہم بہت سے رسُول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتلائے اور بعض کے نہیں بتائے ہیں۔

انبیائے سابقین کے اخبار کے قرآن مجید میں بار بار دُہرائے جانے کا مقصد یُوں بیان کیا گیا ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاۗءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰي لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۱۱-۱۲۰)

اور اے محمدؐ! یہ پیغمبروں کے قصے جو ہم تمہیں سناتے ہیں، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے ہم تمہارے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ ان کے اندر تمہیں حقیقت کا علم ملا اور ایمان لانے والوں کو نصیحت اور بیداری نصیب ہوئی۔

مگر اِن اخبار سے تسکین صرف اُسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ہر قصّے سے یہ نتیجہ برآمد ہو کہ غلبہ اصحابِ حق ہی کو حاصل ہو گا۔ اور یہ نتیجہ صرف اُسی صورت میں اخذ کیا جا سکتا ہے جب قوموں کے اعمال کے نتائج اور تہذیبوں کے عروج و زوال کسی ایسے قانون سے متعین ہوتے ہوں جس میں اس کی ضمانت ہو کہ غلبہ ہمیشہ صرف اصحابِ حق ہی کو حاصل ہو گا۔ اور تب ہی ہو سکے گا جب تاریخی عمل کسی ناقابلِ شکست قانون سے متعین ہوتا ہو۔ یعنی جو تاریخی جد و جہد زمان و مکان میں ہو رہی ہے اُس کے نتائج کسی قانون سے متعین ہو رہے ہوں اور یہ قانون وہی قانون ہونا چاہیے جو کو نیاتی سطح پر نتائج پیدا کر رہا ہے۔ وہ قانون تضاد ہی کا قانون ہے۔ اور جس صورتِ حال میں قرآنی ہدایت کی احتیاج پیدا ہوتی ہے وہ مفاد پرستانہ تخریب سے پیدا ہونے والے تضاد اور کشمکش کی صورتِ حال ہے۔ وہ نصب العین جو انسانیت کی احتیاج ہے جسے حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید ہدایت کا دعویٰ کرتا ہے جس کے حصول کی جد و جہد پر تاریخ مشتمل ہے جو بعثتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کا مقصود ہے، اور جو بعینہٖ قرآنی وحی کے بھی نازل ہونے کا مقصود ہے۔ ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے

جو نوعِ انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہو جیسا کہ اس آیہ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے: یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا (۴ : ۱)۔ (۲) اخلاقی جد و جہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کیے گئے ہو، نیکی کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (۳) جن کی جد و جہد کا رُخ یہ ہو کہ فرد اور معاشرہ دونوں کو ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رکھیں: فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (پس میرے پاس سے تمہارے پاس ہدایت آئے گی پھر جو کوئی ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ خوف ہوگا نہ غم) جن کے استحکام کی اساس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایسی خالص وفاداری ہو جس میں شرک فی النبوت کا شائبہ نہ ہو: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)۔

ایسے مثالی معاشرے کے باقی رہنے اور ترقی کرنے کی شرط یہ معاشرہ پیغمبرانہ بعثت کے مقصود کو جس کی خاطر قرآن مجید نازل ہوا حاصل کرے جیسا کہ اس آیہ پاک سے واضح ہوتا ہے ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُسے غالب کر دے تمام ادیان پر، اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناپسند ہو) ۔ اور یہ واقعہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کی اس غایت کو حاصل کرنے پر ہم مامور ہیں ۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے لا یؤمن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ "کہ تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی آرزو جو کچھ میں لایا ہوں اُس کی پیروی کرنا نہ ہو جائے"۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو ہمیں اس حتمی اور قطعی اعتماد کے متضمنات کو پانے کی جستجو کرنی چاہیے جو اس آیہ پاک میں پایا جاتا ہے: لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (تاکہ وہ اُسے غالب کر دے تمام ادیان پر اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناپسند ہو)۔

یہ حتمی اور قطعی یقین اوّلاً تو غایتِ تخلیقِ کائنات، غایتِ بعثتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم

اور غایتِ نزولِ وحیِ قرآنی کے عین یکدگر ہونے میں مضمر ہے اور ثانیاً اس بات میں کہ قرآنی ہدایت کی نتیجہ خیزی کا انحصار اس پر ہے کہ وہ قانون جو کائناتی نظام میں نتائج کو متعین کر رہا ہے جو نظامِ تکوینی میں مضمر ہے، جس قانونِ ربوبیت سے کائنات کی نشو و نما کے نتائج متعین ہو رہے ہیں اور جس قانونِ سعادت و شقاوت سے انسانوں کی کامیابی اور ناکامی متعین ہوتی ہے، جس تاریخی قانون سے اخلاقی جدوجہد کو محرک میسر آتا ہے ان میں ایک بنیادی ربط ہے، لہٰذا سوالات یہ ہیں کہ:

- وہ کائناتی قانون کیا ہے جو انسانیت کی نشو و نما کو متعین کرتا ہے۔
- وہ بنیادی اخلاقی قانون کیا ہے جو انسان کی اخلاقی جدوجہد کے نتائج متعین کرتا ہے اور
- وہ تاریخی قانون کونسا ہے جو تاریخی حرکت کے نتائج کو متعین کرتا ہے اور
- ان قوانین کے درمیان ہم آہنگی کا مطلب کیا ہے؟

وہ قانونِ ربوبیت یا نشو و نما کا کائناتی قانون جس کائناتی سطح پر نشو و نما کا عمل متعین ہوتا ہے مندرجہ ذیل آیات سے اخذ کیا جا سکتا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ لا قَالَ اَلَمْ

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ضرور ایک نائب پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا اے اللہ! کیا تو اس شخص کو زمین میں نائب بنائے گا جو فساد کریگا اور خونریزی کریگا اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا جو میں بالیقین جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور سکھا دیئے آدم کو تمام اسماء پھر پیش کیا فرشتوں کے سامنے، پھر فرمایا مجھے بتاؤ ان کے نام اگر تم سچے ہو۔ فرشتوں نے کہا (یا اللہ)، پاک ہے تو اور ہم نہیں جانتے بجز اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا، یقیناً تو علیم و حکیم ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: "اے

اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○

آدم بتا دے اُن کو اُن کے نام۔ پھر جب بتا دیئے اُن کو
اُنکے نام (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو
میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں
اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى وَ
اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ وَ
قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم
کو پس سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے اس نے
ابا کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا کافروں میں سے اور
ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری زوجہ رہو جنت
میں اور کھاؤ اس میں فراغت سے جہاں سے
چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے پھر ہو
جاؤ گے ظالموں سے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا
مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○

پھر بہکایا اُن کو شیطان نے اُس سے پھر نکال
دیا اُن کو وہاں سے جہاں وہ تھے۔ ہم نے کہا اترو
تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں۔ اور تمہارے
لیے زمین میں مستقر ہے اور متاع ایک وقت تک۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ
فَتَابَ عَلَيْهِ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ○

پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے بعض باتیں
اس کے بعد پھر آیا اس پر سے یقیناً وہی کوٹنے
والا رحیم۔ ہم نے کہا اترو یہاں سے سب پس میری
طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئیگی، پھر جو کوئی
پیروی کرے میری ہدایت کی انہیں نہ خوف ہوگا نہ
غم اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیات
کو، وہی لوگ اصحاب النار ہیں اُس میں ہمیشہ
رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنا تعارف یوں کراتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ٥ (الانعام: ۹۶)

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مُردے سے نکالتا ہے اور مُردے کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ یہ ہے اللہ، تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (۳۰:۱۹)

وہ زندہ کو مُردے سے نکالتا ہے اور مُردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو جلاتا ہے اُس کے مرنے کے بعد۔

کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ٥ (۶: ۱۴۲)

کھاؤ اُس سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۷: ۲۷)

(فرمایا) اے آدم کی اولاد خبردار! شیطان تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کرے جیسا اُس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا۔ اُتروا دیئے ان کے لباس تاکہ اُن کی شرم کی چیزیں ان کی نظر پڑیں۔ بیشک وہ اور اُس کا قبیلہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم نہیں دیکھتے۔ بیشک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ٥ (۱۷: ۵۳)

کہہ دیجیے میرے بندوں کو کہ وہ بات کہیں جو اچھی ہے۔ بے شک شیطان عداوت پھیلاتا ہے ان کے درمیان۔ بلاشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ

اگر نہ دفع کرتا اللہ بعض لوگوں کو بعض سے تو یقیناً فساد پھیل جاتا زمین پر۔ لیکن اللہ تعالیٰ

ذُوا فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (٢ : ٢٥١)

تمام جہانوں پر فضل کرنے والا ہے ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ
صَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ
اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ
يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝
(٢٢ : ٤٠)

اور اگر نہ دُور کرتا اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں سے تو ڈھائے جاتے درویشوں کے خلوت خانے نصاریٰ کے عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے جن میں اللہ کا نام بہت کثرت سے لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ مدد دیتا ہے اس کو جو اللہ کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ تعالےٰ قوی اور عزیز ہے ۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (١٢ : ٥)

تحقیق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ
عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ (٣٥ : ٦)

تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے پس اسے دشمن ہی سمجھو بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ اپنی جماعت کو پکارتا ہے تاکہ وہ ہو جائیں دوزخ میں رہنے والوں میں سے ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا
مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ
نَصِيْرًا ۝ (٢٥ : ٣١)

اور اسی طرح ہم نے بنا دیا ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے ایک دشمن اور کافی ہے آپ کا رب ہدایت کرنے والا اور مددگار ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا
شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ
وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ
مَا يَفْتَرُوْنَ (٦ : ١١٢)

اور اسی طرح ہر ایک نبی کے لیے ہم نے بنا دیے شیطان دشمن جنوں اور آدمیوں میں سے جن میں بعض بعض کے دلوں میں بناتی ہوئی بات ڈالتے ہیں فریب دینے کے لیے ۔ اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے پس چھوڑ دیجیے انہیں اور اس فریب کو جو وہ باندھتے ہیں ۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور کر دیتا سب

وَّاحِدَۃً وَّ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ ط وَ لِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ ط وَ تَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (۱۱: ۱۱۸، ۱۱۹)

لوگوں کو ایک اُمّت وہ ہمیشہ اختلاف ہی کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر رحم کیا تیرے رب نے۔ اور اسی لیے پیدا کیا ہے اُن کو۔ اور پُوری ہوئی تیرے رب کی بات البتہ بھرونگا میں دوزخ کو سب جنوں اور آدمیوں سے۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ وہ کائناتی قانون جو اس کائنات کی ساخت میں رکھا گیا ہے۔ مزاحمت اور مزاحمت کی مزاحمت کا قانون ہے جو نشوونما کے عمل کو متعین کرتا ہے۔

ہرچند کہ وہ بنیادی رمابعد الطبیعاتی، اخلاقی قانون بھی جو فاعل اخلاق کی سعادت و شقاوت کو متعیّن کرتا ہے فطرتِ انسانی میں ودیعت کر دیا گیا ہے یوُں واضح کیا گیا ہے: فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا ۔ (۹۱: ۸)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا ۔ (۹۱: ۹-۱۰)

وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو حرص و لالچ سے پاک کیا وہ تباہ ہو گیا جس نے اِسے مٹی میں ملایا۔

یہی ناقابلِ شکست قانون ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور اسی قانون کی حقانیت کو پانے اور اسی قانون کی تعمیل سے ایک فرد اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر چلا سکتا ہے لیکن اخلاقی انضباط اور اخلاقی جدوجہد میں استقامت صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اِس اخلاقی قانون پر عمل پیرا ہونے کے لیے تاریخی قانون کے ذریعہ استقامت مہیا کی جائے۔ جسے یوُں تشکیل کیا جا سکتا ہے:

دو گروہ ہوں جن کے دو متضاد مقاصد ہوں اُن کے پیچھے دو وفاداریاں ہوں اُن کے پیچھے دو متضاد منظم ارادے ہوں۔ ان ارادوں کے درمیان تصادم ہو۔ اس تصادم کو کامیاب بنانے کے لیے دو پروگرام ہوں۔ ان دو گروہوں میں سے ایک کو قرآن حزب اللہ کہتا ہے اور دوسرے کو حزب الشیطان۔ ایک کو اہل الجنۃ کہتا ہے دوسرے کو "اہل النار"۔ ایک کو اصحاب یمین کہتا ہے دوسرے کو اصحاب شمال۔ ایک کو اصحاب میمنہ کہتا ہے دوسرے کو اصحاب مشئمہ۔ ایک کو "خیر البریّہ" کہتا ہے، دوسرے کو شرّ البریّہ۔

یہی وہ قانون ہے جس سے تاریخی عمل (HISTORICAL PROCESS) کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ اِس قانون کی خصوصیت قرآن مجید اِن آیات میں واضح کرتا ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○	اور نہیں تبدیل ہوتی سنت اللہ۔
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○	اور نہیں تبدیل ہوتی سُنّت اللہ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○	اور نہیں تحویل ہوتی اللہ کی سُنت۔

تاریخ کا قانونِ تضاد: وہ قانونِ تضاد جس سے تاریخی جدوجہد کے نتائج متعین ہوتے ہیں، جس کی نشاندہی قرآن مجید میں کی گئی ہے یہ ہے کہ:

دو گروہ ہوں ایک حزب اللہ اور دوسرا حزب الشیطان۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (المجادلہ: ۲۲)	تم نہ پاؤ گے اُن لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں اُن سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی رُوح سے اُن کی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، اُن میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے سُنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا	کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو ایسوں کے دوست ہوتے جن پر اللہ کا غضب ہے وہ نہ تم میں سے نہ ان میں سے۔ وہ دانستہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بیشک وہ بہت ہی بُرے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے

يَعْمَلُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (المجادلہ: ۱۴-۱۹)

اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے۔ پھر اللہ کی راہ سے روکا تو ان کے لیے خواری کا عذاب ہے۔ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ دینگے۔ وہ دوزخی ہیں، انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو اس کے حضور بھی ایسے ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھا رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی قسمیں کارآمد ہیں۔ سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں ان پر شیطان غالب آگیا تو انہوں نے اللہ کی یاد بھلا دی۔ وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔

حزب اللہ، اصحاب الیمین، اصحاب المیمنہ، اصحاب الجنۃ ہیں۔ اور حزب الشیطان، اصحاب الشمال، اصحاب المشئمہ، اصحاب النار و اصحاب الجحیم ہیں۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۙ

اور دہنی طرف والے۔ کیسے دہنی طرف والے۔ بے کانٹے کی بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور ہمیشہ کے سائے میں اور ہمیشہ جاری پانی میں اور بہت سے میووں میں جو نہ ختم ہوں اور نہ روکے جائیں اور بلند بچھونوں میں دہونگے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۙ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۚ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ

اور بائیں طرف والے کیسے بائیں طرف والے جلتی ہوا میں اور کھولتے پانی میں اور جلتے دھوئیں کی چھاؤں میں۔ جو نہ ٹھنڈی نہ عزت کی۔ بے شک وہ اس سے پہلے نعمتوں میں تھے۔ اور اس بڑے گناہ کی ہٹ رکھتے تھے اور کہتے تھے کیا جب ہم مرجائیں گے

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۙ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۔ (۵۶: ۴۷-۵۰)

اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ تم فرماؤ بیشک سب اگلے پچھلے ضرور اکٹھے کیے جائیں گے۔

وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ○ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ○ اُولٰۤئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ○ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ○ (۹۰: ۱۱-۲۰)

اور تو نے کیا جانا وہ گھاٹی کیا ہے۔ کسی بندے کی گردن چھڑانا یا بھوک کے دن کھانا دینا رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو۔ پھر ہو، ہو اُن سے جو ایمان لائے اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں۔ یہی دہنی طرف والے ہیں۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا وہ بائیں طرف والے۔ ان پر آگ ہے اس میں ڈال کر اوپر سے بند کر دی گئی ہے۔

ان دونوں گروہوں کے دو متضاد مقاصد ہوتے ہیں۔ اصحاب المیمنہ کا نفع بخشی کا، اور اصحاب المشئمہ کا مزعومہ مفاد کو محفوظ رکھنے کا۔ اور ان کی دو وفاداریاں ہوتی ہیں۔ حزب اللہ کی وفاداری پیغمبر اور اس کے ساتھیوں سے، اور حزب الشیطان کی وفاداری پیغمبر کے "دشمنوں" سے۔ ان کے پیچھے دو منظم ارادے ہوتے ہیں اپنے اپنے غلبے کے لیے۔ اور ان دونوں کے دو پروگرام ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان تصادم ہوتا ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۔ (انبیاء: ۱۹)

بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ اُس کا بھیجہ نکال دیتا ہے پھر وہ مٹ کر رہ جاتا ہے۔

یہ تصادم حق کے غلبے اور باطل کی شکست پر منتج ہوتا ہے۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ (شوریٰ: ۲۵)

اللہ مٹاتا ہے باطل کو ثابت کرتا ہے حق کو اپنی باتوں سے۔

عروج و زوال کی حرکتِ مستدیرہ جس کی وضاحت نقشے میں کی گئی ہے اُس میں زوال کے

جس مرحلے سے بھی ولولہ انگیز مقصد کا شعور پیدا ہو جائے اور منظم جدوجہد شروع کر دی جائے وہیں سے عروج شروع ہو جاتا ہے۔ زوال کا مکمل ہونا لازم نہیں۔

تاریخ میں تضاد کا یہ قانون دراصل اُس قانونِ تضاد کا مظہر ہے جو تکوین میں مضمر ہے۔ جسے کائناتی قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وہ قانون ہے جس کی وجہ سے کائنات کی ساخت انسانی جدوجہد میں کامیابی کے ساتھ سازگار رہے۔ جو قانونِ تضاد تکوین و تخلیق میں مضمر ہے وہی مزاحمت اور مزاحمت کی مزاحمت کا موجب ہوتا ہے اور یہ تضاد ہی کا قانون ہے جو انتہائی شدید جدوجہد کو استقامت اور استمرار بخشتا ہے جس کی بدولت نامساعد حالات پر غلبہ پانے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جس کی شہادت کے لیے مندرجہ ذیل آیات پر غور کر کے اِس کائناتی قانونِ تضاد کا تعلق ایک طرف تاریخی قانونِ تضاد سے اور دوسری طرف اخلاقی قانون سے سمجھنا درکار ہے۔ اخلاقی کمال حاصل کرنے کے لیے جو جدوجہد ضروری ہے اُس میں استقامت اُن شدائد سے پیدا ہوتی ہے جو کسی جماعت کے افراد کو غایتِ معلومہ کے حاصل کرنے میں پیش آتے ہیں جن کی بدولت اخلاقی سیرت میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اور دو متضاد قوتوں میں سے غلبہ اُسی کو حاصل ہوتا ہے جس میں نفع بخشی کی ضمانت ہو۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ

(الانبیاء: ۱۶-۱۸)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے عبث نہیں بنائے۔ اگر ہم کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار کرتے۔ اگر ہمیں کرنا ہوتا بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے تو وہ جب ہی مٹ کر رہ جاتا ہے اور تمہاری خرابی ہے اُن باتوں میں جو خود بناتے ہو۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا وَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي

اُس نے آسمان سے پانی اُتارا تو نالے اپنے اپنے لائق بہ نکلے۔ پھر پانی کی رو اُس پر اُبھرے ہوتے جھاگ اُٹھا لائی اور جس پر آگ دہکاتے

النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۰

ہیں گہنا یا اور اسباب بنانے کو اُس سے بھی ویسے ہی جھاگ اٹھتے ہیں۔ اللہ بتاتا ہے کہ حق اور باطل کی یہی مثال ہے تو جھاگ تو پھک کر دور ہو جاتا ہے اور وہ جو لوگوں کے کام آئے زمین میں رہتا ہے۔

چونکہ تاریخ قوموں اور تہذیبوں کے عروج و زوال کا علم ہے اس لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ :

عروج کیا ہے ؟

کسی تہذیب اور اس کی حامل قوم کے عروج کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد یا گروہ کی تخلیقی جدوجہد میں تعطل کو روا نہ رکھا جائے، اس کی معیشت کامل ہو یعنی مختلف طریقوں سے معاشی تخلیق کی جدوجہد کرنے والے پہلے ایک دوسرے کی احتیاج پوری کرتے ہیں اور صرف زائد از ضرورت خام مال یا صنعتی اجناس برآمد کرتے ہوں۔ معاشی اعتبار سے خود کفیل ہوں اور بین الاقوامی سطح پر معاشی اعتبار سے ایک باوقار حیثیت رکھتے ہوں۔ زندگی کے ہر پہلو میں معیاری قیادت میسّر ہو۔ قومی غایت اور ثقافتی فضائل کی پوری بصیرت اُن قائدین کو حاصل ہو اور اُن کی قیادت زندگی کے کسی پہلو میں اپنا بدل پیدا کرنے کی ذمہ داری سے غافل نہ ہو۔ سیاسی طور پر خوب منظم ہوں، عمرانی نظام کی حیثیت سے اُن میں کامل ضبط و انقیاد پایا جاتا ہو۔ تعلیمی اعتبار سے ترقی یافتہ ہوں اور سب اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والوں کے لیے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہونے کی راہیں کھلی ہوں۔ زندگی کے کسی میدان میں قحط الرجال سے دوچار ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا ہو۔

جس عمل سے عروج ہوتا ہے اس کے مدارج یہ ہیں کہ مقصد کا شعور و لولہ پیدا کرتا ہے اس کے حصول میں جو مشکلات ہیں ان کے اندازے سے رجوع الی اللہ کا تقاضا اُبھرتا ہے۔ اور اللہ کی مدد کو پانے کے لیے اپنے اندر ضبط و انقیاد پیدا کرنا لازم آتا ہے۔ اخلاقِ صالحہ پیدا ہوتے ہیں اور دوسروں کی تکلیف کا احساس ایثار پہ مائل کرتا ہے اسکے نتیجے میں حق شناسی پیدا ہوتی ہے اور عمرانی تنظیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وفاداری اور باہمی عدل ضروری ہو جاتا ہے، بے غرضی، سخت کوشی اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نتیجہ میں غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ غلبۂ حق کے بعد قانون کا اقتدار اور اقتدار کا استحکام لازم آتا ہے۔ اور جب حاکم کا اقتدار مقصد بننے لگے تو زوال کی ابتدا ہو جاتی ہے

کیونکہ سیاسی تنظیم کا مطلب یہ ہے حاکم اور محکوم وجود میں آگئے اور تنظیم سے حاکم کو محکوم سے اطاعت کا مطالبہ کرنے کا حق پیدا ہوتا ہے۔ یہ مطالبہ ہوسِ اقتدار کی خاطر کیا جائے تو سیاسی تناقض پیدا ہو جاتا ہے اور محکوم کے مفاد کی خاطر اطاعت کا مطالبہ کیا جائے تو سیاسی تناقض رفع ہو جاتا ہے۔ یہ عمل اور اس میں خلوص ایک محرّک کا طلبگار رہے۔ یہ محرک تضاد سے میسّر آتا ہے حصولِ مقصد کی جدوجہد میں کامیابی قانونِ تضاد سے متعیّن ہوتی ہے۔ یہی قانونِ تضاد تاریخی حرکت کے نتائج بروئے کار لاتا ہے[1]

زوال کیا ہے؟ قومی اور تہذیبی زوال کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد اور گروہ کی زندگی سے معاشی تعطّل یعنی تخلیقی جدوجہد میں رکاوٹ کو دُور کرنے کی ذمّہ داری کوئی قبول نہ کرتا ہو۔ معیشت نامکمل ہو یعنی مختلف طریقوں سے معاشی تخلیق کی جدوجہد کرنے والے ایک دوسرے کی احتیاج کے پورا کرنے کے خیال سے بے نیاز ہوں۔ اور قوم زرعی، تجارتی، صنعتی اعتبار سے پس ماندہ ہو۔ قومی غایت اور ثقافتی نصب العین کے تعلق میں اُن کی نظر خیرہ ہوگئی ہو اور ان کا غایت کا تصوّر مسخ ہو گیا ہو۔ قیادت اجارہ داری بن گئی ہو۔ قیادت اپنا بدل پیدا کرنے کے تقاضے سے محروم ہو گئی ہو۔ ہر ہوشمند اور قومی شعور رکھنے والے کو قیادت اپنا مدمقابل اور حریف سمجھتی ہو۔ مختلف عمرانی ادارے ضبط و انقیاد سے محروم ہوں، زندگی کے کسی پہلو میں مُؤثر قیادت نصیب نہ ہو۔ اجتماعی زندگی کا ہر پہلو انتہائی مزعومہ مفادات رکھنے والی سازشی ذہن کی حامل محدود جماعتوں کے تسلّط اور تصرّف میں ہو جنہوں نے عام لوگوں کی بھلائی اور ترقی کی تمام راہیں مسدُود کر رکھی ہوں۔ کوئی فرد کیسا ہی قابل، کتنا ہی لائق، مخلص اور ایثار پیشہ کیوں نہ ہو اپنی صلاحیّت کے مطابق کسی مقام و منصب پر فائز نہ ہو سکتا ہو۔ زندگی کے ہر پہلو میں مفاد پرستی کا دور دورہ ہو اور بدی پر منظم معاشرے میں نیکی

---

[1] یہی قانونِ تضاد لائحہ عمل کی اساس ہے۔ حصُولِ مقصد کی جدوجہد کے پہلے قدم یعنی "تلاوتِ آیات" ہی سے تضاد شروع ہو جاتا ہے، غلبہ حاصل ہونے کے بعد دب جاتا ہے۔ تضاد کی شدت میں کمی جہاد سے غافل ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور نتیجہ میں صلابتِ کردار، استحکامِ سیرت اور حرارتِ ایمانی میں کمی کی ابتداء ہو جاتی ہے جس کا تدارک انفرادی یا اجتماعی یا بین الاقوامی سطح کے لائحہ عمل سے ہو سکتا ہے۔

عروج وزوالِ اُمم کی تاریخی حرکت

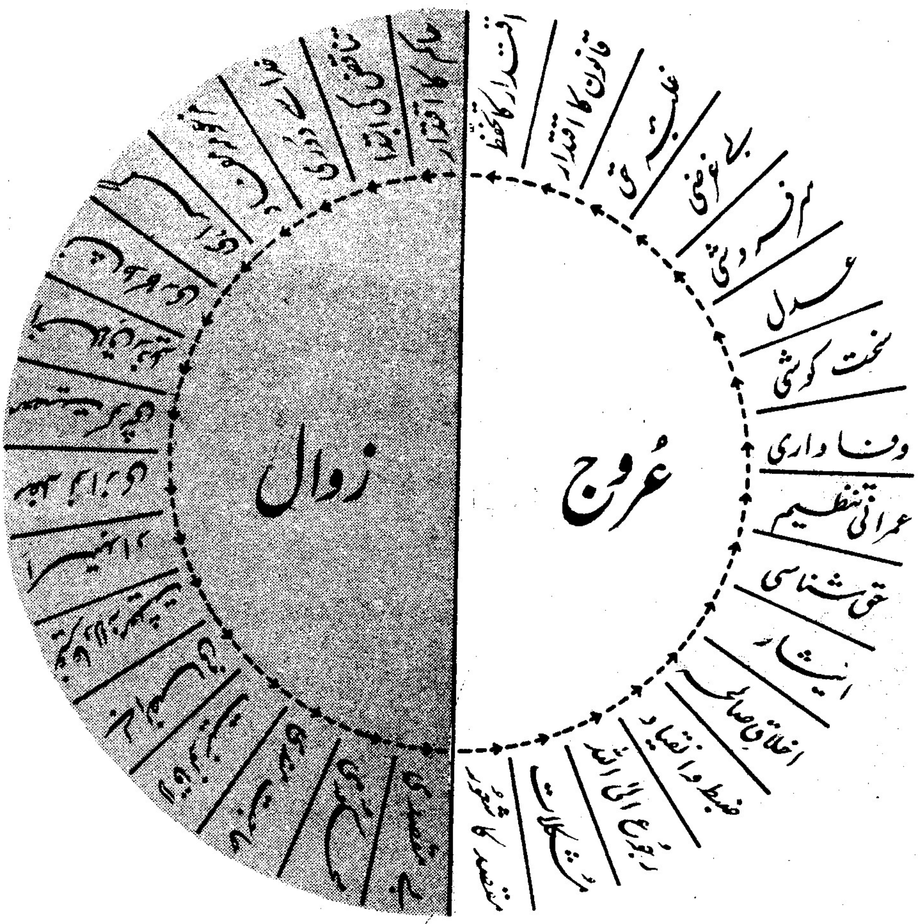

کا کوئی ارادہ بار آور نہ ہو سکتا ہو۔ یہ حالت مزعومہ مفاد کے غالب آجانے سے پیدا ہوئی ہے۔ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا (جس نے مزعومہ مفاد کے غالب آنے کی وجہ سے زندگی کو نشو و نما نہ دی وہ تباہ ہو گیا) ——— انتہائی زوال یہ ہے کہ انسانی شخصیت میں اختلال واقع ہو۔ عمرانی اداروں کے صحتمند وظائف کی ادائیگی کے لیے جو ضبط و انقیاد ضروری ہے وہ ضائع ہو گیا ہو اور ذہن اس امتیاز سے عاری ہو جائے کہ انسانی سطح پر شرطِ حیات کیا ہے اور حیوانی سطح پر شرطِ زندگی کیا ہے اور لاشعوری طور پر ذہن اپنے ماحول کو اپنے نصب العین سے سازگار بنانے کے بجائے حیوانوں کی طرح اپنے آپ کو ماحول سے سازگار بناتے ہوئے حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے کے لیے قانع ہو جائے۔

زوال کیسے ہوتا ہے | مزعومہ مفاد غالب آنے لگے اور "قانون کے غلبے" کے بجائے حاکم کا غلبہ اُس کا مقصود بن جائے تو "عزیمت" کے بجائے "رخصت" پر عمل کرنا شعار بن جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ بالادست طبقے کا ذہن نشاط کاری کی طرف مائل ہوتا ہے، اخلاقِ رذیلہ کا میلان پیدا ہوتا ہے اور زندگی کا انداز بہت جلد معصیت کوشی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ معصیت کوشی اور ہوس انگیزی کے تقاضے دنی الطبع اور رذیل لوگوں کے تعاون سے پورے ہونے لگتے ہیں اس لیے "سفلہ نوازی" مستحق نوازی کی جگہ لے لیتی ہے۔ غیر عادلانہ معیشت رواج پاتی ہے۔ اور نظم و ضبط کو تشدّد سے قائم کرنا لازم آتا ہے بعض لوگوں کے حق میں ناروا نرمی اور بعض لوگوں کے حق میں ناروا سختی سے حکومت کا نظام استبداد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بے انقیادی اور لاقانونیت کا راستہ کھل جاتا ہے اور قوم محکومی اور حاجت مندی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔